رسائل ومسائل

نقد سرمایہ کی زکوٰۃ اور اس کا نصاب

سوال :- زکوٰۃ بالخصوص نقدی پر زکوٰۃ کے متعلق میرے ذہن میں بعض شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں، جن کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں مل سکا۔ اس لیے ان کے ازالے کی خاطر آپ سے رجوع کر رہا ہوں۔ میرے اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ آج کل نقد سرمایہ سونے یا چاندی کی شکل میں کسی صاحبِ نصاب کے قبضے میں نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نقدی کے عوض میں سونا خزانے میں جمع ہے لیکن ہمارے ہاتھ میں جو کچھ ہے، وہ صرف کرنسی کے نوٹ ہیں جن پر وعدہ ادائیگی تحریر ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان نوٹوں پر زکوٰۃ کس بنیاد پر عائد ہوگی۔

تاہم اگر ان نوٹوں کو سونے چاندی کے مشابہ قرار دے کر ان پر زکوٰۃ فرض ہو، تو پھر دوسرا سوال

(اس دور میں قرآن کی صحیح خدمت کیا ہے؟ بقیہ صٓ ۵۵)

۴۔ زندگی میں اسلام اُس کو جلوہ گر نظر آتے۔ اِس کے بغیر ہم خلفنی بھی اسلام کی تبلیغ کریں گے اُس کے آگے دنیا کو ایک بہت بڑی علامتِ استفہام ہی لگی نظر آئے گی جس میں یہ سوال پوشیدہ ہوگا کہ کیا یہ امت، جو اپنی مسجدوں کے باہر زندگی کے ہر شعبے میں دوسروں کے افکار و نظریات، تہذیب، قوانین اور اصولوں کی تقلید کر رہی ہے، فی الواقع اسلام کو خود بھی برحق سمجھتی ہے؟

یہ چند امور ہیں جن کی طرف میں اہلِ علم کے اس گراں قدر اجتماع کو توجہ دلانا چاہتا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ ان کو التفات کا مستحق سمجھا جائے گا۔

یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے لیے نصاب سونے کا معتبر ہوگا یا چاندی کا۔ ہندو پاکستان کے علماء بالعموم نوٹوں کو چاندی پر قیاس کرتے ہیں اور چاندی کے نصاب یعنی پچاس روپے کو نقد سرمایہ کا نصاب تجویز کرتے ہیں۔ معلوم نہیں سونے کو چھوڑ کر کرنسی کو چاندی کے مانند قرار دینا ہمارے علماء کا ایجاد کردہ مسئلہ ہے یا پہلے فقہاء کا بھی یہی فتویٰ تھا۔ اگر سکہ چاندی کا ہو یا کم از کم اس کی آمیزش میں چاندی غالب ہو، تب تو اسے چاندی کے تحت لانا صحیح تھا لیکن جب چاندی ہی سرے سے غائب ہوگئی تو پھر بھی نوٹ کو چاندی سے ملانا سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر اس معاملے میں چاندی کے بجائے سونے کے نصاب کو بنیاد بنایا جائے تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔

جواب:۔ (از ملک غلام علی صاحب)۔ یہ ایک لاطائل نکتہ آفرینی ہے کہ نقد سرمایہ اگر سونے یا چاندی کے بجائے زرِ کاغذی کی شکل میں ہو، تو اس پر زکوٰۃ کا وجوب مشکوک ہو جائے گا۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ سونے اور چاندی کے محلِ زکوٰۃ ہونے کی بنیادی علت یہ ہے کہ ان کی وساطت سے انسان اپنا زائد از ضرورت اور پس انداز اندوختہ محفوظ رکھ سکتا ہے اور جب چاہے جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے، یعنی ان سے اپنی یا دوسروں کی ضروریات فراہم کر سکتا ہے۔ ارشادِ ربانی وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا...... میں سونے چاندی کے متعلق یَکْنِزُوْنَ اور یُنْفِقُوْنَ کے الفاظ صاف اشارہ کر رہے ہیں کہ ان دونوں چیزوں کو بطور خزانہ ذخیرہ بھی کیا جا سکتا ہے اور ان کے ذریعے سے حاجاتِ زندگی بھی پوری کی جا سکتی ہیں۔ ایک مدت دراز تک یہ دونوں کام سونے چاندی یا ان کے سکوں سے لیے جاتے رہے، لیکن آج اس کی جگہ کاغذی سکے نے لے لی ہے۔ آپ اسے جمع بھی کر سکتے ہیں اور اسے خرچ کر کے ہر اس ضرورت کی تکمیل بھی کر سکتے ہیں جس کے لیے ایک زمانے میں سونا یا چاندی درکار تھا۔ آج آپ نوٹ لے کر کسی دکاندار کے پاس جائیں یا اسے کسی حاجتمند کے حوالے کریں تو وہ یہ نہیں کہے گا کہ یہ تو محض کاغذی وعدہ ہے، مجھے اس کے بجائے سونا دو یا چاندی دو۔ بلکہ نوٹ کے بدلے میں اگر آپ سونا یا چاندی دینا چاہیں، تو وہ تامل و تردد میں پڑ جائے گا۔ بہرکیف جس سکے میں ثمن ہے اور بازار میں جس کا چلن ہے وہ سونے چاندی کا ہر لحاظ سے قائم مقام ہے، خواہ وہ لوہے کا ہو، چمڑے کا ہو، یا کاغذ کا ہو۔ اس پر زکوٰۃ بالکل اسی طرح فرض ہے جس طرح سونے چاندی پر فرض ہے۔

یہ سوال البتہ لائق غور ہے کہ جو کرنسی سونے یا چاندی سے بنی ہوئی نہیں ہے اس کے نصاب کا تعین کیسے ہو؟ یہ تو ظاہر ہے کہ ایسی کرنسی چونکہ سیم وزر کے حکم میں داخل ہے، اس لیے لامحالہ اسے نصاب کے معاملے میں بھی چاندی یا سونے ہی پر قیاس کیا جائے گا۔ اب فقہائے امّت کا تعامل یہ بتا رہا ہے کہ جو سکہ طلائی ہے یا کم از کم اس میں غالب عنصر سونے کا ہے، اس کا نصاب تو سونے کا نصاب یعنی بیس مثقال یا بیس دینار ہوگا اور دوسرے تمام سکوں میں چاندی کا نصاب، یعنی دو سو درہم یا ان کے ہم وزن چاندی کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ یہ چیز ہمارے فقہائے کرام کے حزم و احتیاط اور اجتہادی بصیرت پر دلالت کرتی ہے۔ کہ جنسِ ذہب کی حد تک تو انہوں نے سونے کا نصاب وہی مانا ہے جو بعض روایات میں مذکور ہے لیکن سونے کے ماسوا جتنے بھی اموال ایسے ہیں جن کا نصاب غیر منصوص ہے، انہیں چاندی پر قیاس کیا ہے اور ان میں غیر طلائی سکے بھی شامل ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری کی عبارت ملاحظہ ہو: الدراهم اذا كانت مغشوشة فان كان الغالب هو الفضة فهي كالدراهم الخالصة وان غلب الغش فليس كالفضة فلينظران كانت رائجة او نوى التجارة اعتبرت قيمتها فان بلغت نصاباً من ادنى الدراهم التي تجب فيها الزكوٰة وجبت فيها الزكوٰة (اگر درہم میں ملاوٹ ہو مگر چاندی غالب ہو تو وہ خالص چاندی کے درہم شمار ہوں گے، یعنی ان پر باعتبار وزن چاندی کی زکوٰۃ ہوگی اور اگر ملاوٹ غالب ہو تو پھر وہ چاندی کے مانند نہ ہوں گے۔ پس دیکھنا ہوگا کہ اگر وہ رائج الوقت ہوں یا ان سے تجارت مقصود ہو تو ان کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اگر یہ قیمت درہموں کی اس کم ترین مقدار کی قیمت کو پہنچ جائے جس پر زکوٰۃ واجب ہے، تو ان ملاوٹ والے سکوں میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی)۔

اب آج کل کے مروج سارے سکے، کاغذی نوٹوں سمیت، دراہم مغشوشہ کی تعریف میں آ سکتے ہیں، اس لیے ان کی قانونی قیمت کے لحاظ سے ان پر زکوٰۃ عائد ہوگی اور ان کا نصاب چاندی کا نصاب ہوگا۔ سونے کے بجائے ان میں چاندی کا نصاب اختیار کرنے کے حق میں متعدد دلائل و وجوہ موجود ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اموالِ تجارت میں دو سو درہم چاندی کے مساوی نصاب کا ذکر بعض روایات و آثار میں آیا ہے اور نقود اور تجارتی اموال میں چولی دامن کا ساتھ ہے، اس لیے اگر متاعِ تجارت کے نصاب میں سونے کی جگہ چاندی کو اصل قرار دیا جائے تو اسی کا اطلاق آپ سے آپ نقد سرمایہ پر بھی ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ سند اور صحت کے اعتبار سے چاندی کے

نصاب پر مشتمل احادیث کا درجہ نہایت اعلیٰ ہے، حتیٰ کہ صحیحین میں جہاں پانچ اوقیہ کا نصاب مذکور ہے وہاں بھی محدثین کے نزدیک بالاتفاق چاندی کے دو سو درہم مراد ہیں۔ یہ خصوصیت ان احادیث کو حاصل نہیں جن میں سونے کا نصاب مروی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ جن اموال کا نصاب محتاجِ تعیّن ہے اور وہ سونے یا چاندی سے مماثلت رکھتے ہیں ان میں چاندی کو بنیاد بنانا اس وجہ سے بھی اُولیٰ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس سے مستحقین زکوٰۃ کو زیادہ فائدہ پہنچے گا۔

بہرکیف ائمہ و فقہاء اسلام نے اگر نقد سرمایہ پر زکوٰۃ کو واجب ٹھہرایا ہے اور اس کے نصاب میں سونے کے بجائے چاندی کو اصل بنایا ہے تو اس کے حق میں مضبوط نقلی و عقلی دلائل موجود ہیں اور یہ پاکستان و ہند کے علماء کا کوئی من گھڑت مسئلہ نہیں۔ یہ کہنا بھی درحقیقت درست نہیں، بلکہ غلط فہمی پر مبنی ہے کہ ان دیار کے علماء نے نقدی کا نصاب مستقل طور پر پچاس روپے طے کر دیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جس دَور میں علمائے کرام نے یہ نصاب تجویز کیا تھا، اُس دور میں روپیہ چاندی کا تھا یا چاندی اس میں جزوِ اعظم کی حیثیت رکھتی تھی اور اس کا وزن ایک تولہ تھا۔ اس لحاظ سے اس زمانے میں پچاس یا باون روپے تقریباً دو سو درہم (۵۲½ تولے) چاندی کے ہم وزن اور ہم قیمت تھے۔ اس لیے ایک عام فہم مسئلہ بیان کر دیا گیا کہ پچاس روپے پر زکوٰۃ ہوگی۔ بعد میں صورت حال بالکل بدل گئی۔ اب نہ وہ چاندی کا روپیہ ہے اور نہ پچاس تولے چاندی کی قیمت پچاس روپے ہے۔ اس لیے اب روپے پیسے کے نصاب میں ساڑھے باون تولے چاندی کی بازاری قیمت کو بنیاد بنایا جائے گا اور یہ روزانہ اخبارات سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ جس شخص کے پاس سال بھر اس قیمت کے برابر روپیہ ہوگا، وہ زکوٰۃ دے گا۔